Fikr-o-Nasar (Islamabad) 9:4 (1971)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاویلات اہل السنہ
یا
تفسیر ابی منصور ما تریدی

محمد صغیر حسن معصومی

(گذشتہ سے پیوستہ)

ثم اختلف اھل التفسیرفی العالمین،

فمنھم من رد الی کل ذی روح دب

علی وجه الارض،

ومنھم من رد الی کل ذی روح فی

الارض وغیرھا،

ومنھم من قال لله کذا وکذا

عالم،

و التاویل عندنا ما اجمع اھل

الکلام ان العا لمین اسم لجمیع

الانام والخلق جمیعا،

بنی آدم میں خاص طور پر مستعمل ہے، اور اسم رب مالك اور سید سبکو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے، اسی وجه سے اس کی توجیه مالك کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، اور حضرت ابن عباس کی روایت اسی کا احتمال رکھتی ہے، کیونکه الله تعالی، درحقیقت سارے ذکر کئے جانے والوں کا سردار رب ہے، والله الموفق،

مزید یه که 'عالمین' کے بارے میں اھل تفسیر کا اختلاف ہے، بعض اس سے مراد ھر اس ذی روح کو لیتے ھیں جو روے زمین پر رینگتا ہے، بعض اس سے ھر روح والے کو جو زمین اور غیر زمین میں موجود ھیں مراد لیتے ھیں، اور بعض یه کہتے ھیں که الله ھی کے لئے ایسے ایسے عالم ھیں۔

ھمارے نزدیک علم کلام کے ماھرین کی تاویل یه ہے که عالمین سارے لوگوں اور جمیع مخلوقات کا نام ہے،

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

وقول اهل التفسير يرجع الى مثله، إلا انهم ذكروا اسماء الاعلام، واهل الكلام مايجمع ذلك وغيرهم۔

ثم العالم اسم للجميع، وكذلك الخلق، ثم تعريف ذلك بالعالمين والخلايق يتوجه الى جمع الجمع من غير ان يكون فى التحقيق تفاوت، وقد يتوجه الى عالم كل زمان وكذا خلق كل زمان على حكم تجدد العالم، وبالله التوفيق،

و فى ذلك ان الله ادعى لنفسه العالمين كلهم من تقدم و تاخر، و من كان يكون لم يقدره احد ان ينطق بالتكذيب، يدعى شيئاً من ذلك لنفسه۔ دل ذلك على ان لا رب غيره ولا خالق لشى من ذلك سواه، اذ لا يجوز ان يكون حكيما او الها ينشئى ويبدع ولا يدعيه، ولا يفصل ما كان منه ما كان لغيره، وبنفسه قام ذلك لابغيره، وعلى ذلك معنى قوله تعالى:

اهل تفسیر کے بیان میں ایسے ہی اقوال قابل اعتناء ہیں، البتہ یہ لوگ اشخاص کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں، اور اهل کلام اس لفظ کو اشخاص وغیر اشخاص کے اسماء کا جامع بتاتے ہیں،

علاوہ ازیں عالم سارے موجودات کا اسم ہے، اسی طرح لفظ خلق ہے،

نیز عالمین اور خلایق کو معرف بنانے سے مقصود یہ ہے کہ وہ سبکو جامع ہے اور اس کی تحقیق وتثبیت میں کوئی امتیاز و تفاوت نہیں، اور کبھی تجدد عالم کے حکم کے بموجب عالمین ہر زمانے کے عالم اور اسی طرح ہر زمانے کی خلق کے لئے جامع ہے، اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے،

ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کا دعوی ہے کہ سارے اگلے پچھلے عالم اللہ ہی کے ملک ہیں، اور جو ہو چکے اور جو ہونگے سب اسی کے لئے ہیں، کسی کو اللہ کی تکذیب میں گویائی کی قدرت نہیں اور نہ اپنے لئے کسی شئی کا دعوی کرنے کی طاقت، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی رب ہے، اور نہ کسی شئی کا خالق۔ یہ جائز نہیں کہ ایک حکمت والا اور ایک معبود انشاء وابداع سے کام لے اور اس کا دعویدار نہ ہو، اور اپنی مخلوق اور غیر کی بنائی ہوئی چیز میں فرق نہ کرے، اللہ تو اپنی ذات پر قایم ہے کسی کے بل بوتے پر نہیں، یہی مفہوم ہے اللہ تعالی کے قول کا

" وما كان معه من اله اذا لذهب كل اله بما خلق "، فهذا مع مافى انسان التدبير و اجتماع التضاد، وتعلق حوائج بعض ببعض وقيام منافع بعض ببعض على تباعد بعض من بعض و تضادها دليل واضح على ان مدعى ذلك كله واحد، وانه لايجوز كون مثل ذلك عن غير مدبر عليم، و الله المستعان،

و قوله الرحمن الرحيم ، اسمان مأخوذان من الرحمة، لكنه روى فيهما رقيقان ، احدهما ارق من الاخر، وكان الذى روى عنه هذا ارادبه "لطيفان احدهما الطف من الاخر". دليل ذلك وجهان احدهما مجئ الاثر فى ذلك اللطيف فى اسماء الله تعالى مع مانطق به الكتاب، ولم يذكر فى شئى من ذلك رقيق و معنى اللطيف فى استخراج اسرار الامور الخفية * وظهورها له كقوله "انها إن تك مثقال حبة من خردل

جب وہ فرماتا ہے" اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہیں، ورنہ ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا "۔

ان سب باتوں کے ساتھ یہ واضح ہے کہ انسان میں تدبیر اور اضداد کو اکھٹا کرنے کی صلاحیت ہے، بعض کی حاجتیں بعض کے ساتھ وابستہ ہیں، بعض کے منافع بعض دوسروں کے ساتھ قائم ہیں۔ ساتھ ہی بعض کو بعض سے بعد وتضاد ہے، ان ساری حقیقتوں سے اس بات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ ان سب کا دعویدار ایک ہے، اور یہ مدعی بڑی تدبیر اور علم کی مہارت رکھنے والے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا: اور اللہ ہی سے مدد کی امید کی جاتی ہے،

اور اللہ تعالیٰ کا قول 'الرحمن الرحیم، ایسے دو اسماء پر مشتمل ہے جو لفظ رحمت بمعنی مہربانی سے ماخوذ ہیں ، لیکن ان کے بارے میں روایت ہے کہ رقیق کے معنے میں ہیں۔ البتہ مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ رقیق ہے۔ جس نے یہ بیان کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم لطیف ہے، البتہ ایک دوسرے سے لطیف تر ہے ، اسکی دلیل دو طرح بیان کی جاتی ہے ، ایک یہ کہ اسماء باری تعالیٰ کے متعلق آثار مروی ہیں جن سے لطیف کی وضاحت ہو جاتی ہے ، ساتھ ہی قرآن پاک خود ناطق ہے، اور کسی

* المخطوطة : فى استخراج اسرار الخفية

فتكن فى صخرة ، الى قوله لطيف خبير. وبالله التوفيق ،

والثانى ان اللطيف حرف يدل على البر والعطف، والرقة على رقة الشئى، التى هى نقيض الغلظ والكثافة كما يقال فلان رقيق القلب، واذا قيل فلان لطيف ، فانما يراد به بارعاطف فلذلك يجوز لطيف، ولا يجوز رقيق ،

وكذلك فسر من فسر الرحمن العاطف على خلقه بالرزق، وذهب بعضهم، وهم الاقل، الى اللطافة، وذلك بعيد، وانما هو من اللطف ،

وقوله احدهما ارق من الاخر بمعنى اللطف ، يحتمل وجهين ، احدهما التحقيق بأن اللطف باحد الحرفين اخص واليق و اوفر و اكمل، فذلك رحمته بالمومنين انه يقال رحيم بالمومنين على تخصيصهم بالهداية لدينه ولذا ذكر امته ،

میں 'رقیق، کا ذکر نہیں ھے، اور پوشیدہ اسرار الٰہی کے ظہور اور استخراج میں 'لطیف، کا مفہوم باریکی ھی ھے، جیسے اللہ تعالی فرماتا ھے یہ اگر رائی کے دانے کے برابر ھو اور کسی سخت پتھر میں پنہاں ھوجائے . . . اللہ بڑا لطف والا اور خبردار ھے، اور اللہ ھی سے توفیق حاصل ھوتی ھے۔

دوسری وجہ یہ ھے کہ لفظ لطیف نیکی، نرمی اور رقت پر دلالت کرتا ھے اور رقت کا اطلاق ایسی شئے پر ھوتا ھے جس میں کثافت اور گاڑھا پن بالکل نہ ھو جیسے کہا جاتا ھے فلاں شخص بڑا رقیق القلب ھے یعنی نرم دل ھے، اور جب کسی کو لطیف کہا جاتا ھے تو مراد یہ ھوتی ھے کہ وہ نیکی کرنے والا مہربان ھے، ایسی جگہ لطیف کہنا جایز ھے رقیق کہنا جایز نہیں ،

اسی طرح بعض نے یہ تفسیر بیان کی ھے کہ رحمان وہ ھے جو اپنی مخلوق کو روزی پہنچا کر ھمدردی کرتا ھے، اور بعض جو تعداد میں بہت کم ھیں یہ خیال ظاھر کرتے ھیں کہ رحم لطافت کے معنے میں ھے، اور یہ بعید ھے اسلئے کہ یہ لفظ لطف سے مشتق ھے، جسکے معنی نرمی کرنے کے ھیں ،

وان اشرکهم فی الرزق فیما
یراهم غیرهم،

اس قول کی ، کہ لطف کے معنی میں ایک دوسرے سے رقیق تر ہے، دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں: پہلی توجیہ درحقیقت اس بات کی تثبیت ہے کہ ان دو لفظوں میں سے ایک کے ساتھ لطف مخصوص ، مناسب ، زیادہ وافر اور پورے کمال کے ساتھ مختص ہے ، جسکی مثال اللہ تعالی کا ایمان والوں پر مہربان ہونا ہے ، کہ وہ کہتا ہے : رحیم بالمؤمنین، اسطرح کہ اللہ تعالی نے اپنے دین کی ہدایت کے ساتھ انہیں کو مخصوص کیا ، اور اپنی امت کے لقب سے ان کا ذکر کیا ، اگرچہ رزق میں بظاہر انکو دوسروں کا شریک بنایا ہے ۔

ألاترى انه لايقال رحمن بالموىنين
وجائز القول رحيم بهم، وكذلك
لايقال رحيم بالكافر مطلقا، وبالله
التوفيق،

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کو ''رحمان بالمؤمنین،، نہیں کہا جاتا ، اور ''رحیم بالمؤمنین،، کہنا جایز ہے ، اسی طرح مطلقاً ''رحیم بالکافر،، نہیں کہا جاتا اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہو سکتی ہے ،

و وجه آخر ان احدهما الطف من
الاخر، كانه وصف الغاية في
اللطف حتى يتعذر وجه ادراك ما
في كل واحد منهما من اللطف،
او يوصف بقطع الغاية عما يتضمنه
كل حرف ، وبالله التوفيق،

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ہے، گویا اللہ تعالی نے لطف کی انتہاء اس طرح بیان کی ہے کہ دونوں میں جو لطف ہے اس کے ادراک کی وجہ مشکل ہے، یا ان میں سے ہر لفظ جس لطف کو شامل ہے، وہ حد بیان سے باہر ہے۔ و باللہ التوفیق ۔

و وجه آخر ان احدهما تم في هذا
ان اسم الرحمن هو المخصوص به
الله ، لا يسمى به غيره ،

دوسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں سے ایک اس بات میں تام و کامل ہے، کہ اسم رحمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی مخصوص

والرحیم یجوز تسمیۃ غیرہ بہ، فلذلك یوصف ان الرحمن اسم ذاتی، والرحیم فعلی،

و ان احتمل ان یکونا مشتقین من الرحمۃ، و دلیل ذلك انکار العرب الرحمن، ولا احدمنهم انکر الرحیم، حیث قالوا ”لا ندری ما الرحمن أ نسجد لما تامرنا،، و ذلك قوله: قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن ایاما تدعوا. یدل علی انه ذاتی لافعلی، واذاکان الفعل صفۃ الذات (ص ۳) اذمحال صفته بغیرہ، لما موجب ذلك الحاجۃ الی غیرہ لیحدث له الثناء والمدح، وما خلق الخلق لنفع الاستداح وهو عن ذلك متعال بل بنفسه مستحق لکل مدح و حمد، ولا قوۃ الابالله،

ہے، دوسرے کو رحمان نہیں کہا جاتا ہے اور رحیم اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، چنانچہ ’ رحمن ، کو اسم ذاتی اور ’ رحیم ، کو اسم فعلی بیان کرتے ہیں،

اس بات کا احتمال بھی ہےکہ دونوں اسماء رحمۃ سے مشتق ہیں، اور اسکی دلیل یہ ہے کہ عرب ’رحمان، کا انکار کرتے تھے، البتہ کسی عربی نے کبھی ’ رحیم، کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے بیان کو دھراتا ہے، ”ہم نہیں جانتے ’رحمن، کیا ہے کیا ہم اسکو سجدہ کریں جسکے سجدہ کا حکم تم ہمکو دیتے ہو،، اور اللہ کا یہ قول ” قل ادعوا اللہ. . . تدعوا ،، فرما دیجئے تم اللہ سے دعا کرو یا رحمان سے دعا کرو، جس سے تم چاہو دعا کرو کیونکہ اللہ کے سب نام عمدہ اور خوب ہیں،، ظاہر کرتا ہے کہ لفظ رحمان ذاتی ہے فعلی نہیں کیونکہ جب کسی فعل کا ثبوت کسی ذات کے لئے ہو تو یہ محال ہے کہ اس ذات کے سوا دوسرے کے ساتھ متصف ہو جائے، ورنہ یہ لازم آئیگا کہ اپنی ثناء و مدح کے لئے ذات غیر کی محتاج ہو اور اللہ نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ مدح وتعریف سے نفع اٹھائے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کے احتیاج سے بالاتر ہے وہ تو خود بلا کسی کی وساطت کے مدح وستایش کا مستحق ہے ۔ اور اللہ ہی سے

وروی فی خبر القسمة ان العبد اذا قال الرحمن الرحیم قال الله تعالی اثنی علی عبدی، واذا قال مالك یوم الدین، قال مجدنی عبدی، وذکر انه قال فی الاول بالتمجید وفی الثانی بالثناء ، وذلك واحد لان معنی الثناء الوصف بالمجد والکرم والجود، والتمجید هو الوصف بذلك ' و بالله التوفیق،

طاقت و توانائی ملتی ہے .

عبادات کی تقسیم والی حدیث میں یہ بیان موجود ہے کہ بندہ جب ' الرحمن الرحیم ، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : میرے بندے نے میری تعریف کی ، اور جب ' مالك یوم الدین، کہتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی و عظمت بیان کی۔ ایک روایت میں اول میں تمجید اور ثانی میں ثناہ کا ذکر آیا ہے ، بہرکیف دونوں روایتوں کا مفہوم ایک ہی ہے ، کیونکہ مجدوکرم اورجود بیان کرنے کو ثنا کہتے ہیں اور تمجید میں بھی انہیں اوصاف کا بیان ہوتا ہے ، وباللہ التوفیق ،

ثم اجمع انه قوله مالك یوم الدین انه یوم الحساب والجزاء، وعلی ذلك القول 'انا لمدینون، وقوله یومئذ یوفیهم الله دینهم الحق وهو الجزاء، ومن ذلك قول الناس کما تدین تدان ،

مالك یوم الدین میں یوم دین کے مفہوم پر است کا اجماع ہے کہ حساب‌وجزاء کا دن ہے ، اسی بنا پر کہیں گے ''انالمدینون'' '' البتہ ہمیں ضرور بدلہ ملیگا '' ، دوسری آیت ہے : یومئذ یوفیهم‌الله‌الخ اس دن اللہ تعالیٰ انکے حق دین کا بدلہ پورا پورا دیگا۔ اسی معنی میں لوگوں کا مقولہ ہے : وکما تدین تدان ، جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔

وجایز ان یکون مالك یوم الدین علی جعل ذلك الیوم لما یدان الیوم اذبه یظهر حقیقته وعظم مرتبته ، وجلیل موقعه عند ربه ،

یہ بھی جائز ہے کہ مالك یوم الدین میں یوم کواس جزا اور بدلہ کے لئے بنا دیا جائے جو

و فی الایة دلالة وصف الرب بملك ماليس بموجود لوقت الوصف بملكه ، وهو يوم القيمة ، ثبت ان الله يجمع ما يستحق الوصف به يستحقه بنفسه لابغيره،

و لذلك قلنا نحن هو خالق لم يزل، و رحيم لم يزل ، وجواد لم يزل، و سميع لم يزل ، وان كان ماعليه وقع ذلك لم يكن، وكذلك نقول هو رب كل شئى ، و اله كل شئى فى الأزل ، و ان كانت الاشياء حادثة ، كما قال : مالك يوم الدين اليوم ، و ان كان اليوم فعلا[1] غير حادث ، و بالله التوفيق ،

و قوله اياك نعبد ، فهو ، و الله اعلم ، على اضمار الامر اى قل ذا ، ثم لم يجعل له ان يستثنى

[1] المخطوطة . فعل

اس دن دیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی حقیقت ظاہر ، اسکا مرتبہ بلند اور اسکی وقعت بیحد ہے ،

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ سزاوار ہے کہ یوم کے ملک کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے ، جو اس وصف کے بیان کرنے کے وقت موجود نہ ہو یعنی قیامت کا دن ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی ان سارے اوصاف کا جامع ہے جنکا وہ مستحق ہے . کیونکہ وہ بنفسہ ان کا مستحق ہے بغیرہ نہیں

اسی طرح ہم اللہ تعالی کے بارے میں کہتے ہیں ” اللہ ہر شے کا پروردگار ہے، ہمیشہ سے ہر شے کا معبود ہے،، ، اگرچہ ساری چیزیں حادث ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ، اللہ تعالی آج بدلہ کے دن کا مالک ہے، اگرچہ ’ دن ، ایک فعل غیر حادث ہے، اور ہم اللہ ہی سے توفیق چاہتے ہیں ۔

اور اللہ تعالی کا قول : ” ایاك نعبد ،، (خاصکر تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں) واللہ اعلم ، صیغۂ امر کے اضمار پر مبنی ہے ، یعنی ” یہ کہو ،، پھر اس قول میں کسی استثناء کی رعایت نہیں کی گئی ہے ۔ بلکہ ہر

فى القول به بل الزمه القول بالقول فيه ، ثم هو يتوجه وجهين: احدهما الحال القول به على الخبر عن حاله ، فيجب ان لا يستثنى فى التوحيد ، و ان من يستثنى فيه عن شك فيستثنى ، و الله تعالى وصف المؤمنين بقوله : انما الموىنون الذين آمنوا بالله و رسوله ، ثم لم يرتابوا ، الايہ ،

و كذا سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن افضل الاعمال ، فقال : ايمان لا شك فيه ،

و الثانى عن احوال التى تردد فى ذلك لكنه اذا كان ذلك على اعتقاد المذهب لم يجز الشك فيه ، اذ المذاهب لا تعتقد لاوقات ، انما تعتقد للابد ، لذلك لم يجز الثناء فيه فى الابد ، و بالله التوفيق ،

ایک کے لئے اللہ تعالی کے بارے میں یہ کہنا لازم قرار دیا گیا ہے ۔

نیز ، اس کی دو توجیہیں ہیں ۔ پہلی یہ ہے کہ عبادت ایک ایسی حالت ہے جسکے متعلق کچھ کہنا اس حالت کی خبر دینے کی بنا پر ہے ، تو توحید میں یہ واجب ہے کہ استثناء نہ ہو ، اور جو شخص شک کی بنا پر استثناء کرتا ہے تو وہ کرے ، اور اللہ تعالی نے ایمان والوں کی صفت اس طرح بیان کی ہے: ”جزاین نیست کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور رسول کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر شک نہیں کرتے ،، الآیہ ۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ، سب سے عمدہ عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا : وہ ایمان جس میں شک نہ ہو ،

دوسری توجیہ وہ حالات ہیں جو عبادت میں تردد و شبھہ کے حامل ہیں ، لیکن جب ان کا تعلق مذہب کے اعتقاد سے ہو تو اس میں شک و شبھہ جائز نہیں ، کیونکہ مذاھب کا اعتقاد کسی خاص وقت کے لئے نہیں ہوتا وہ تو ابد تک کے لئے ہوتا ہے ، اسی لئے ابدی عقیدے میں استثناء جائز نہیں ، اور اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے ۔

ثم قوله اياك نعبد يتوجه وجهين :

احدهما الى التوحيد ، و كذا روى عن ابن عباس رضى الله عنه ، انه قال : كل عبادة فى القرآن فهو توحيد ،

و الوجه الاخر ان يكون على كل طاعة ان يعبد الله بها ، و اصلها يرجع الى واحد ، لما على العبد ان يوحد الله فى كل عبادة لا يشرك بها أحدا بل يخلصها ليكون موحدا لله بالعبادة والدين جميعا ، و على ذلك قطع الطمع والخوف والحوائج كلها عن الخلق ، و توجيه ذلك الى الله تعالى ، بقوله: انتم الفقراء الى الله ، و الله هو الغنى الحميد ، وعلى ذلك المؤمن لا يطمع فى

نیز اللہ تعالی کے فرمان 'ایاك نعبد' سے دو باتیں ظاہر ہیں ، اول توحید خالص، چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے ، فرماتے تھے قرآن پاک میں جو عبادت مذکور ہے وہ توحید ہے، ثانی ، یہ کہ اللہ تعالی کی عبادت ہر طرح کی فرمانبرداری کے ساتھ ضروری ہے ، اور ہر قسم کی طاعت کی اصل ایک اور صرف ایک ہے، اس لئے کہ بندہ پر فرض ہے کہ ہر عبادت میں اللہ تعالی کو ایک جانے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھرائے ، بلکہ اپنی عبادت خالص طور پر اللہ کے ساتھ مختص کرے تاکہ ہر طرح عبادت دین اور عقیدے میں اللہ کی توحید کا اظہار کرے، اس طرح لالچ، خوف سے بندہ دور رہے گا اور اپنی حاجتوں کے لئے کسی مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے پوری لگن کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف توجہ کریگا ، اور اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق مخلوق کو کہے گا تم سب اللہ کے محتاج ہو ، اور اللہ ہی غنی اور قابل ستائش ہے، اس طرح ایک ایمان دار حقیقت میں اللہ کے سوا کسی سے لو نہیں لگاتا ، اور نہ کسی سے اپنی حاجت بیان کرتا ہے، اور نہ کسی سے اللہ تعالی کے بتائے ہوئے طریقے کے سوا ڈرتا ہے،

الحقيقة باحد غير الله ، ولا يرفع اليه الحوائج ،

بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے ڈرنا چاہیے

ولا يخاف الا من الوجه الذى يخشى ان الله جعله شيئا لوصول بلاء من بلاياه اليه على بدنه ، فعلى ذلك يخافه او يرجو ان يكون الله تعالى جعل سبب ما وقفه اليه على بدنه فبذلك يرجو ويطمع فيكون ذلك من الضالين ، ليكون فى ذلك التعوذ من جميع انواع الذنوب و الاستهداء الى كل انواع البر۔

کہ اللہ تعالی نے انکو اس قابل بنایا ہے کہ اس کے حسب منشا کسی ابتلاء و آزمائش کو انسان کے بدن تک پہنچادیں ، تو ایسی چیزوں سے ڈرنا برحق ہے، یا یہ امید رکھے کہ اللہ تعالی اس ابتلاء کو اس کے بدن سے دور کرنے کا کوئی سبب بنائے، بنابریں اگر بندہ ان اسباب سے امید و طمع رکھے گا تو گمراہوں میں سے ہو جائے گا۔ غرض ہر قسم کے گناہوں سے اللہ ہی کے ہاں پناہ ڈھونڈنی چاہیے اور ہر قسم کی نیکی کی ہدایت و رہنمائی اسی سے طلب کرنی چاہیے۔

ثم التسمية ، هى آية من القرآن وليست من فاتحة القرآن۔

نیز ”بسم اللہ الرحمن الر یم،، قرآن پاک کی ایک آیت ہے ، سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں ہے ،

دليل جعلها اية ماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال لابى بن كعب : لاعلمنك آية لم تنزل على احد قبلى الا على

تسمیہ کے آیت ہونے کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث ہے کہ آپ نے ابی بن کعب سے فرمایا : البتہ تمکو میں ایک ایسی آیت سکھاؤنگا جو مجھ سے پہلے کسی پر نازل نہ ہوئی ، ہاں صرف سلیمان بن داؤد پر وہ اتاری گئی تھی ، پھر آپ نے اپنا ایک قدم بڑھایا ، پھر فرمایا ”اے ابی یہ وہ آیت ہے جس سے قرآن پاک کی قراءت شروع کی جاتی ہے ، ابی نے کہا : 'بسم اللہ

سلیمان بن داؤد ، فاخرج احدی قدمیه ، ثم قال له یا أبی آیہ یفتتح القرآن ، قال بسم الله الرحمن الرحیم ، فقال : ھی ھی۔

ففی ھذا انھا آیہ من القرآن وانھا لو کانت من السور لکان یعلمه بما ..... ایہ (ص ٤) لا آیہ واحدة ، ولو کانت منھا أیضا لکان لا یجعلھا مفتاح القرآن ، بل یجعلھا من السور ،

ثم الظاھر ان لم یتکلف تفسیرھا علی ابتداء السورة ، ثبت انھا لیست منھا ،

وکذلك ترك الامہ الجھر بھا علی العلم بأنه لا یجوز ان یکون رسول الله علیه السلام یجھر بھا ثم یخفی ذلك علی من معه ، و ان یکون غفلوا ، ثم یضیعون سنته بلا نفع یحصل لھم ، حتی

الرحمن الرحیم ، حضور صلی الله علیه و سلم نے فرمایا : وھی ، وھی ، اس حدیث میں یه بات واضح ھے که بسم الله ، قرآن حکیم کی ایک آیت ھے، اگر سورتوں میں اسکا شمار ھوتا تو آپ ضرور تعلیم دیتے که یه سورہ کی آیت ھے، اور آپ اپنے مبارک الفاظ ' ایک آیت ، سے تعبیر نه کرتے۔ نیز اگر سورہ فاتحه کی آیت ھوتی تو آپ بسم الله کو قرآن کی ''مفتاح،، نه فرماتے بلکه سورتوں کی ایک آیت قرار دیتے ۔

پھر یه بات ظاھر ھے که اس آیت کی تفسیر سورہ فاتحه کی ابتدا کی حیثیت سے نہیں کی جاتی ھے، جس سے یه ثابت ھوتا ھے که سورہ فاتحه کا جز نہیں ،

اسی طرح امت نے بسم الله کو زور سے پڑھنا ترک کیا ھے، یه اس یقین کے ساتھ که ایسا ھرگز نہیں ھو سکتا که آنحضرت صلی الله علیه و سلم اس کی قراءت زور سے فرماتے اور آپ کے ساتھیوں کو اس کی خبر نه ھوتی ، یا آپ کے اصحاب غافل ھوتے اور بغیر کسی نفع کے حصول کے آنحضرت صلی الله علیه و سلم کی سنتوں کو ضایع کر دیتے یہاں تک که امت عھد بعھد متوارثا اس کی جھری قراءت ترک کرتی گئی اس احتمال کے ساتھ که بسم الله

تواترث الامة تركها فيما يحتمل ان يكونوا الجهر سنة ، ثم يخفى ـ فيكون فى فعل الناس دليل واضح انها ليست من السور،

و دليل آخر على ذلك ما روى عن رسول الله صلى الله عليه و سلم انه قال قسمت الصلاة بينى و بين عبدى نصفين ، فاذا قال العبد الحمدلله الى قوله مالك يوم الدين ، فقال هذا لى و هى ثلاث آيات ، و قال بعد قوله اهدنا الى آخرها ، هذا لعبدى ثلاث ، انها ثلاث آيات لتستوى القسمة ،

ثم قال فى قوله : اياك نعبد واياك نستعين ، هذا بينى و بين عبدى نصفين ،

فثبت انها آية واحدة ، فصارت بغير التسمية سبعا ، و ذلك قول

کی جہری قراءت سنت ہے مگر لوگوں پر یہ امر پوشیدہ رہا ـ غرض لوگوں کے فعل سے یہ دلیل واضح ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز یا آیت نہیں ہے ـ

دوسری دلیل اس آیت کے فاتحہ سے نہ ہونے کی وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیان کی گئی ہے، کہ اللہ تعالی نے کہا ہے: نماز کو میں نے اپنے اور اپنے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا ہے ،

جب بندہ الحمد للہ سے لیکر مالک یوم الدین تک کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ آیتیں میرے لیے ہیں ، اور یہ نصف تین آیتیں ہیں ، اور جب بندہ ، اهدنا سے آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ تین آیتیں میرے بندے کے لئے ہیں ، ظاہر ہے کہ دونوں حصے تین تین آیات پر مشتمل ہیں تاکہ تقسیم مساوی ہو ـ

پھر اللہ تعالی ، اياك نعبد و اياك نستعين ، کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ میرے اور بندہ کے درمیان نصف نصف ہے، تو اس فرمان سے اس آیت کا ایک ہونا ثابت ہوا ، اس طرح سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کے سوا سات

الجميع ، انها سبع ايات مع ما لم يذكر فى خبر القسمة فثبت انها دونها سبع آيات ،

وقد روى عن انس بن مالك انه قال صليت خلف رسول الله و خلف ابى بكر و عمر و عثمان فلم يكونوا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم ، و روى ذلك عن على و عبدالله بن عمر و جماعة ، و هو الامر المعروف فى الامة مع ما جاء فى قصة السحر ان العقد كانت احدى عشرة ، و قرأ [1] عليها المعوذتين دون التسمية ، فكذا غيرها من السور مع ما إن جعلت مفتاحا كانت كا لتعوذ۔ و الله الموفق ،

والاصل عندنا ان المعنى الذى تضمنه فاتحة القران فرض على

[1] المخطوطة : قرئى

آیتیں پائی گئیں ، اور سب لوگوں کا یہی قول ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں قطع نظر اس کے جو تقسیم عمل والی حدیث میں مذکور نہیں ، تو یہ ثابت ہوا کہ سورہ فاتحہ تنہا سات آیتوں پر مشتمل ہے جس میں بسم اللہ شامل نہیں ہے ،

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے نیز حضرت ابوبکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ، وہ سب بسم اللہ الرحمن الرحیم باواز بلند نہیں پڑھتے تھے ،

حضرت علی ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے بھی یہی روایت ہے ، اور یہ امت میں مشہور بات ہے ، اسی سلسلے میں قصہ سحر کے ذکر میں روایت ہے کہ جادو کی گرہیں گیارہ تھیں جنپر قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی سورتیں بسم اللہ کے بغیر پڑھی گئیں ، تو دوسری سورتیں بھی تعوذ کی سورتوں کی طرح ہوئیں ، ساتھ ہی یہ امر ہے کہ اگر بسم اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان کے مطابق قرآن کی کنجی سمجھیں تو یہ بھی تعوذ کے

جميع البشر اذ فيه الحمد لله والوصف له بالمجد و التوحيد له والاستعانة به و طلب الهداية وذلك كله يلزم كافة العقلاء من البشر اذ فيه معرفة الصانع على ما هو معروف ، والحمد له على ما يستحقه اذ هو المبتدى بنعمه على جميع خلقه ، واليه فقر كل بقدر حاجة كل يحتاج ، فصارت لنفسها بما جعلت الخصال التى بينا فريضة على عباد الله ، ثم ليست هى فى حق الصلاة فريضة ، و ذلك نحو التسبيحات بما فيها من تنزيه الله ، والتكبيرات بما فيه من تعظيمه فريضة نفسها ، إذ ليس لأحد ان لا ينزه ربه ولا يعظمه من غير ان

مثل ہے،، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے،

ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ جو مفہوم فاتحہ القرآن میں شامل ہے وہ جمیع بشر پر فرض ہے، یہ مفہوم اللہ تعالی کی حمد اس کی عظمت و وحدانیت کے وصف کا بیان ، اس سے ہدایت و مدد کی درخواست ، سب کو شامل ہے اور یہ ساری باتیں جمیع عقلاء بشر کے لئے لازم و ضروری ہیں کیونکہ اللہ کے خالق ہونے کی ان سے پوری معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اس تعریف کا بیان مقصود ہے جسکا وہ مستحق ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہی اپنی جمیع مخلوق پر اپنی نعمتوں کو اولین بار نچھاور کرتا ہے، ہر چیز اپنی حاجت پوری کرنے میں اسی کی محتاج ہے، اور اپنی حاجت کے برابر اس کی ضرورتمند ، چنانچہ ان خصائل کی وجہ سے جنکو ہم بیان کر چکے ہیں اور جو بتائی جا چکی ہیں یہ ساری باتیں لذاتہا اللہ کے بندوں پر فرض ہیں، پھر یہ چیزیں نماز کے حق میں فرض نہیں ہیں، انکی مثال تسبیحات جیسی ہیں جن سے اللہ کے غیر اللہ سے پاک و بے نیاز رہنے کا ذکر ثابت ہے، اور تکبیرات ہیں جن سے اللہ کی عظمت ظاہر ہے، یہ سب لذاتہا فرض ہیں،

کیونکہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اپنے

يوجب ذلك فرضيتها فى حق الصلاة و فى حق كل مجعولة هى فيه لا من طريق يوضح الفرضية من غير طريق النهى ذكرت ،

ثم ليست هى بفريضة فى حق القراءة فى الصلاة لوجوه : احدها ان فرضية القراءة عرفنا بقوله فاقرءوا ما تيسر من القرآن ، وفيها الدلالة من وجهين : احدهما انه قد يكون غيرها ايسر والثانى [1] ان فرضية القراءة فى هذه الاية من حيث الامتنان بالتخفيف علينا ، ثم التيسير ولو لم يكن فريضة لم يكن علينا فى التخفيف منة اذا بالترك ، ثم لا تخير فى فاتحة القرآن ، والاية التى بها عرفنا الفرضية فيها تخير ما يختار من الأيسر ، ثبت انها رجعت الى

۱ ـ المخطوطه : الهمانى

پروردگار کی تنزیه نه کرے اور اس کی عظمت بیان نه کرے جبتک که ان کی فرضیت نماز کے حق میں ضروری نه قرار دے۔ نیز هر پیدا کرده شی میں اس کی فرضیت کو نہی کے سوا جسکو میں ذکر کر چکا هوں ، کسی اور طریقے سے واضح نه کرے،

نیز حق قراءت کے لحاظ سے نماز کے اندر سوره فاتحه کی قراءت چند وجوه کی بنا پر فرض نهیں ، اولین وجه یه هے که قراءت کی فرضیت کو هم الله تعالی کے قول : فاقرءوا ما تیسر من القرآن : (قرآن سے جس قدر آیتوں کی قراءت آسان هو پڑهو،) سے سمجھتے هیں ، اس آیت میں قراءت کے فرض هونے کی طرف دو طرح سے رهنمائی هوتی هے: ایک یه که دوسری آیتوں کی قراءت ممکن هے که زیاده سهل و آسان هو، دوسری وجه یه هے که اس آیت میں قراءت کی فرضیت بطور امتنان اور احسان جتانے کے هے که الله تعالی نے همارے لئے قرآن پاک سے بسهولت چند آیات کے پڑهنے کا حکم دیکر انسان پر بڑا فضل و احسان کیا هے، نیز اگر یه سهولت و آسانی فرض نه هوتی تو آیتوں کے ترک کے ساتھ تخفیف کرنے میں هم پر الله تعالی احسان نه جتاتا ،

(مسلسل)